

حاصل ہو جاتی ہیں، وہی آگے بڑھا کرتی ہے۔ دفاعی ترقی طبیسی قوتوں پر انسان کی دسترس بڑھاتی ہے اور ان قوتوں کی مدد سے جماعتیں انسانی آبادیوں کو سنبھال رہی ہیں۔ اس سبب اور نفاذ و استحکام اور زیادہ سے زیادہ جو تیسری قوت استعمال ہوتی ہے وہ سیاسی ساحری کا فن ہے جس کے بغیر "قاہری" کوئی بڑا نتیجہ نہیں کر سکتی۔ سو مغربی تصور کے مطابق اجتماعی قوت کے اقامتِ ثلثیہ یہ ہوئے۔

(۱) علوم طبیسی (ب)۔ قدرتی وسائل (ج)۔ سیاسی ساحری کا فن

مگر یہ قوت اجتماعی کا نام نہیں تصور ہے۔ علوم طبیسی کا نشو و ارتقا اور قدرتی وسائل سے استفادہ کی صلاحیتیں اور سیاسی حکمت تو افراد انسانی کے دفاعی کرشمے ہیں اور ان ہی کے اجتماع و تعاون سے اجتماعی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ اب سوچئے کہ یہ اجتماع و تعاون کیسے نمودار ہوتا ہے اور اس کا دائرہ کس طرح پھیلتا ہے؟

فرض کیجئے کہ آپ ایک دیس میں گھڑے ہو کر لوگوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ آؤ اپنی اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو ایک مرکز پر جمع کر دو۔ ماہرین علوم طبیسی اپنی اپنی تحقیقاتیں اور ایجادیں پیش کر دیں، علمائے سیاست اپنے اپنے "جادو" کا مظاہرہ کریں، دولت دہرا یاہ کے مالک اپنے مال ڈھیر کر دیں، مزدور اور دہقان اپنی محنت کی متاع بیش بہا لے کر حاضر ہو جائیں۔ کیا یہ آواز سنتے ہی دنیا تقسیم کرے گی؟ نہیں، ہرگز نہیں اور آپ سے دریافت کرے گی کہ ہم کا بے کو یہ دعوت مان لیں؟ چنانچہ آپ کو مقصد بتانا پڑے گا کہ آپ ایک اجتماعی ہیئت کی تشکیل کر کے سیاسی ٹکن حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر آپ کا سیاسی ٹکن فی نفسہ کسی کا مقصد نہیں ہو سکتا، آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اس ٹکن کی نایت کیا ہے؟ چنانچہ آپ بتاتے ہیں کہ ہمارا مقصد نوع انسانی یا کسی ایک نسل و وطن کے فزاندوں کی فلاح و بہبود ہے۔ لیکن صرف اتنی تو بیخ بھی لوگوں کو آپ کے گرد جمع نہیں کر سکتی۔ آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ فلاح و بہبود سے آپ کی مراد کیا ہے اور وہ کون سے اصول و فکر و عمل ہیں جو جلد بنی آدم یا آپ کی ہم نسل و ہم وطن برادری کی فلاح و بہبود کے عناصر ہو سکتے ہیں۔ ان سارے پہلوؤں سے اگر آپ خواص و عوام کی "رضا" حاصل کر سکتے تو وہ اپنی ساری صلاحیتوں اور ساری مادی قوتوں کے ساتھ آپ کے گرد جمع آئیں گے۔ پس مادی قوتیں جماعتی نظام میں خارجی حیثیت رکھتی ہیں اور جماعت کی داخلی قوت وہ اصول و مقاصد ہیں جو انسانی رضا کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں۔ پس جماعتی قوت کا شجرہ تشبہاً مختصراً یہ قرار پائے گا:-

اصول و مقاصد ← انسانی آبادی کی رضا ← مادی قوت ← ٹکن فی الارض

انسانی رضا حاصل کر سکنے والے اصول و مقاصد کو جماعت کی ہیئت سے الگ کر دیجئے تو پھر آپ کے پاس نہ مادی قوت فراہم ہو گی اور نہ ٹکن فی الارض کا کوئی امکان رہے گا، بلکہ خود جماعت "نام کی کوئی چیز بھی باقی نہ رہے گی، صرف منتشر افراد ہوں گے جن کے پاس ہر طرح کی صلاحیتیں ہوں گی مگر وہ کسی کام نہ آسکیں گی! پس اصول و مقاصد جماعتوں کے لیے اصل قوت ہیں جن سے انسانی رضا ظہور کرتی ہے۔

اصول و مقاصد کی جاؤ بیت آگے چلنے سے پہلے ہمیں اصول و مقاصد کی جاؤ بیت کا راز ڈھونڈنا ہے، کیونکہ اس کے محور پر ساری ساری بحث کا پہیہ گھومتا ہے۔ تو اب غور فرمائیے کہ آپ اور گرد کی دنیا کو اگر اس مقصد کی طرف بلائیں کہ لوگوں کو اٹھو اور "زید" کی فلاح و بہبود میں اپنی ساری مساعی صرف کرنے کے لیے جماعت بندی کر دو تو زید کے سوا شاید کوئی اور اس پر لبیک کہنے والا

حقیقت یہ معلوم ہوتے ہیے بنا اور امامت حکمیر کا اجماع ہے چھے اناس وجہت ہوتا ہے کہ سیاست ایمانی میں
 بتانا صحت و دخل سیاست سلفانی کا بڑا ہوتا جاتا ہے، اسی تناسب سے امامت حکمیر غالب ہوتی چلی جاتی ہے۔
 اس میں سوچنے کے لیے سیاست ایمانی کو آپ شیریں اور سیاست سلفانی کو آپ شور ذریعہ کر لو۔ ظاہر ہے کہ آپ شور کی جتنی
 مقدار آپ شیریں میں ملانی جائے گی، اسی قدر آپ شیریں کی لطافت زائل ہوگی اور آپ شور کی تلخی اجماع کی، بالفاظ دیگر
 دلوؤں یا بولوں کی مقدار کے تناسب کے ساتھ ساتھ لطافت و تہنی کے درجہ پر لے جائیں گے۔ بالکل اسی طرح سیاست
 ایمانی بسا سب سلفانی کی آمیزش مختلف تناسبوں اور مختلف درجوں کی ہو سکتی ہے اور اس کے تناسبوں اور
 درجوں کے بدلنے سے لطافت و رشادہ کے درجہ میں فرق آتا جانے گا۔ اسی سنی کی تفصیل کے لیے ہم آپ شیریں اور
 آپ شور کی آمیزش کو حسب ذیل پارہ موٹے موٹے درجوں میں رکھتے ہیں:

۱۱۔ پانی کی صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ صاف اور صندے اور میٹھے پانی کی کثیر مقدار میں ایک ذرا سا کھاری پانی مل جائے
 اس صورت میں ذائقہ میں کوئی خاص تلخی اور تیزی محسوس نہیں ہوگی، بس ذرا پانی کی نفاست و لطافت میں نقص آجائے
 گا۔ ایسے پانی کو لطیف طبع اور نازک مزاج لوگ تو پسند کریں گے، لیکن پیاسے اس سے سیراب ہو سکیں گے، نباتات کو
 اس سے شادابی ملے گی، ہر طرح کے کھانے اس سے پک سکیں گے اور مختلف اقسام کے پریجات کی دھلائی اس سے ہو سکے
 گی۔ ان وجود سے یہ پانی حقیقتہً آب نائلس نہ ہوتے ہونے بھی آثار کے محاط سے آب نائلس سے مشابہ اور فوائد کے لحاظ سے
 اس کی برابری کرتا ہے۔

۱۲۔ دوسرے درجہ کی آمیزش ایسی ہوگی کہ پانی کے ذائقہ میں تیزی و تلخی خوب اچھی طرح نمایاں ہو اور ہر کس و ناکس کے لیے
 اس کا پینا ناگوار ہو۔ اسے چکھنے ہی کر بہت ہونے لگے۔ ایسے پانی سے پیاس کی جلن کم ہونے کی جگہ اور زیادہ بھڑکے گی، اور
 دوسرے فوائد میں بھی فرق آئے گا۔ یعنی جو کھانا اس میں پکے گا، اسے کھاتے ہوئے قدرے تلخی محسوس ہوگی، کپڑے اس سے
 دھیں گے تو ان سے میل کھیل پوری طرح زائل نہ ہوگا۔ اسی طرح اس سے سیراب ہونے والے پودوں کی سرسبزی میں بھی
 نگہا رہائے گا۔

۱۳۔ تیسرے درجہ کے مرکب میں میٹھے اور کھاری پانی کا تناسب ایسا ہوگا کہ کھاری پانی کی تلخی و حدت خوب زور سے
 نمایاں ہوگی اور ذائقہ اتنا بگڑ جائے گا کہ اس مرکب پانی کو بول چال میں آپ شور ہی کہا جائے گا۔ اسے اگرچہ ضرورت پوری
 کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا، لیکن جس حد تک ممکن ہوگا، اس سے اجتناب بھی کریں گے، یعنی گھدر اور گاڑھے کو اس
 میں نہ بولیں گے مگر دینا و حیرت اور پشمینہ کے لباس نہ دھوئیں گے، اونٹنی درجہ کی نباتات مثلاً تنباکو وغیرہ کی فصل کو اس
 سے سیراب کریں گے مگر کھل بھول لانے والے نازک پودوں کی۔ ایسے پانی سے پرورش نہ کی جائے گی۔

۱۴۔ چوتھے درجہ کے مرکب میں میٹھے پانی کی مقدار اتنی کم اور کھاری پانی کی مقدار اتنی زیادہ ہوگی کہ شرینی و لطافت
 نے اس مقدار پر ذائقہ بہت ہی بدستور ہو جائے گا۔ اسے سیاست ایمانی کی ضد، یعنی سیاست کا نظم جیلانے کے لیے خود ساختہ
 طریق اور غیر ایمانی حکمت سے کام لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ مزہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

کا کوئی شائبہ قطعا اس میں محسوس نہ کیا جاسکے گا۔ یہاں تک کہ اس سے پانی کا کوئی ٹانہ بھی حاصل نہ ہوگا اور اگر کوئی شخص مجبور کی حالت میں اسے استعمال کرے گا بھی تو اس سے ہرگز حاجت پوری نہ ہوگی۔ مثلاً اگر وہ پیاس بچھانے کے لیے اسے پے تو پیاس کی آگ دگنی بھڑکے گی، اگر درختوں کو یہ پانی دیا جائے گا تو وہ مرجھا کے رہ جائیں گے اور اگر اس میں کھا پکا یا جائے گا تو وہ ناپختہ اور بد مزہ رہے گا۔ بلکہ مضر صحت بھی! پھر کیسے ان باتوں کے ہوتے ہوئے اس مرکب پانی کو کسی درجہ میں بھی آبِ شیریں کہا جاسکتا ہے؟ — اسے آپ شیریں تو کیا کہیں گے، اس کی بڑی سے بڑی مقدار کے ہوتے ہوئے پانی کے ضرورت مندوں کو کہا جاسکتا ہے کہ یہاں پانی بالکل ہے ہی نہیں! دشت بے آب میں ایسے پانی سے اگر کسی مسافر کا کوڑھ لبا لب بھرا ہوا ہو تو بھی وہ اپنے آپ کو تریس کی موت مرنے سے نہیں بچا سکتا۔

اب تمہیلی انداز بیان کو چھوڑ کر ہم اصل دماغ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اہمیتِ حکمیہ کے مختلف درجوں پر بحث شروع کرتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ اس خوفناک بیماری کی جڑ یا اس خاردار جھاڑی کا بیج فقط جذبہ عبودیت کا زوال ہے۔

خود امامِ حقیقی (علیہ السلام) کی خاص حیثیت کی بنیاد جذبہ عبودیت ہی ہوتا ہے، اور اسی جذبہ کے صدقے میں اس پر صفاتِ نبوت کا پر تو ڈالا جاتا ہے۔ اس کی ساری سعی کا قبلہ مقصود رضائے الہی ہوتا ہے جس کی طلب میں وہ اپنی ساری لذتوں کو قربان کر دیتا ہے۔ اس کی ساری چستیاں اور سرگرمیاں اپنے آقا و مولا کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہیں اور وہ اپنے نفس کے تقاضوں سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اتباع ہو اور ہوس کا اس کے ہاں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بس وہ حق و عدل کی راہ کو پوری استقامت سے طے کرتا ہے۔ اس کے قدم دوسری راہوں پر حرکت نہیں کر سکتے اور اس کی آنکھیں کسی دوسری منزل مقصود پر نہیں جم سکتیں۔ اسوۃ اللہ کی ساری محبتوں کے جال توڑ کر وہ بارگاہِ حق تعالیٰ کی درہیز پر ایسا بیٹھتا ہے کہ مرکز ہی اٹھتا ہے۔ اس کے بلند منصب کا احاطہ ان چند مقدماتِ الفاظ سے ہو سکتا ہے:-

مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَابْتَعِضَ لِلَّهِ وَاعْتَصَمَ لِلَّهِ وَمَنْعَ
لَهُ فَقَدْ اكْتَمَلَ الْإِيمَانُ -
وہ جس کے لیے اللہ اور اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے عداوت کی اور اللہ کے لیے
دیا اور اللہ کے لیے روکا تو اس نے ایمان کی تکمیل کر لی۔

یا ان الفاظ سے:-

مَنْ كَانَ اللَّهُ وَمَسْئُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا هُوَ
ایسی جہتی جب منصبِ خلافت پر شگن ہوتی ہے تو سیاسی میدان میں اس کے مد نظر فقط خدا کے بندوں کی اصلاح کا
کام ہوتا ہے اور نیابتِ رسول اللہ کا حق ادا کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اپنے ذاتی فائدوں کا لالچ اس کے دل کو رام
نہیں کر سکتا ہے، نہ نقصانات کا اندیشہ اس کی ہمت توڑ سکتا ہے۔ اس کے نزدیک تو اطاعتِ ربانی کے ساتھ

ملے لیتے جب اربابِ حکومت میں خدا کی آقا فی اور اس کے سامنے اپنی عاجزانہ غلامی کا احساس کمزور ہونے لگتا ہے تو خلافت
الہی متیز ہو کر امتِ محمدیہ بننے لگتی ہے۔ (ن۔ ص)

ہوئے نفسانی کاشریک ہو جانا شرک کا درجہ رکھتا ہے اور رضائے حق کے سوا کسی اور مقصود کی آرزو کو وہ دل کے لیے غلط تصور کرتا ہے۔ ہندوگان الٰہی کی صحیح تربیت کے سوا نہ ظاہر اس کا کوئی اور مدعا ہوتا ہے، نہ اس کے دل کے گوشوں میں کوئی اور تمنا چھپی ہوئی ہوتی ہے؛ اس وجہ سے کوئی ایسی حرکت اس سے صادر نہیں ہوتی جو سیاست ایمانی سے انحراف کرنے اور سیاستِ سلطانی کی طرف جھک جانے کا ذریعہ بن جائے، مادہ ہوتا تو دور رہا، ایسی کردہ حرکت کا خیال تک اس کے دل میں نہیں گذرتا۔ خلاصہ مطلب یہ کہ فریب نفس کی یہ مجال نہیں کہ اسے صراطِ مستقیم سے ہٹا سکے۔

خلافت اس کے "امامِ مکی" : نفس کے تقاضوں سے پوری طرح بے نیاز ہوتا ہے، نہ مامور اللہ کی گرفت سے آزاد؛ چنانچہ مال و منال اور جاہ و جلال کی حرص، معاشرین پر تقویٰ کی اور اقوام و ممالک پر تسلط کی خواہش، عزیز و دوستوں کی پاسداری اور مخالف دشمنوں کی بدخواہی، لذت جسمانی اور خواہشات نفسانی کی غلامی، یہ سارے نفعے اس کے دل میں ابھرتے رہتے ہیں۔ بات دل ہی تک محدود نہیں رہتی بلکہ دل میں جو کچھ ہے وہ اُنڈے کے باہر آتا ہے اور اس کی حرکات سے نفس پرستی کا صاف عیاں اظہار ہونے لگتا ہے۔ اپنے ان ذاتی مقاصد کے لیے امام مکی سیاست کی مشین سے خوب مدد لیتا ہے اور نظامِ حکومت کو حکمتِ عملی سے کام لے کر اپنی نفسانیت کے ڈھب پر لے آتا ہے۔ اسی طرزِ سیاست کا نام ہے "سیاستِ سلطانی"؛ اگر ہم اس اصطلاح کی عملِ تعریف کرنا چاہیں تو اس کے لیے یہ الفاظ کافی ہوں گے۔

سیاسی اختیارات کو ذاتی فوائد حاصل کرنے اور ذاتی تکالیف دور کرنے میں استعمال کا نام سیاستِ سلطانی ہے" لکھ

یہ ذاتی لذت کی جو سبب سیاستِ ایمانی میں دخیل ہو جاتی ہے تو خلافتِ راشدہ کا ذوال شروع ہو جاتا ہے

لہ کس حقیقت نا انداز میں یہ بات مکی لکھی ہے۔ کاش کہ اسے قارئین اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ دین کی ساری منزلوں میں مسلمان کو اس کی فکر رہنی چاہیے کہ کس حکومت کو نظامِ جامعِ اسلامی کو یا دوسری امدادات کو چلانے ہوئے وسیع یا محدود پیمانے پر جو نیابتی اقتدار اس کے سپرد کیا گیا ہے اس سے شخصی و ذاتی منافع تو نہیں کرے۔ کہیں اس اقتدار کے بل پر کچھ آمدنی تو نہیں بڑھ رہی کہیں دوسروں سے خدمت تو نہیں لی جا رہی کہیں ہم جو مادہ گیسٹ کا اعلان تو نہیں ہو رہا، ذخیرہ۔ اگر ایسا ہے تو یہ خدا کی سب سے بڑی امانت یعنی نیابتی اقتدار میں خیانت ہے جس کے ڈانڈے شرک سے جاملتے ہیں کیونکہ حکم و اقتدار کو خدا کیلئے خالص رکھنے کے بجائے جب اس میں اپنا حصہ بھی لگایا تو یہ گویا اس امر کا اعلان ہے کہ ہم بھی کچھ ٹھوسے سے خدا ہیں۔

لہ دین کے دارالامان اور دارالسلام بننے میں اگر کوئی چیز شامل ہے تو وہ یہی ہے کہ انسان انسان سے مختلف قوتوں کے ذریعہ ناجائز فائدے اٹھانا چاہیے اور ان قوتوں میں سب سے بڑی قوت غالباً حکومت ہی کی ہے۔ اس ادارے کی گرفت زندگی کے ایک ایک گوشے اور گوشے کو محیط ہوتی ہے، پس اسی کو شخصی اور گردنی نفع اندوزی کا قوی ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سیاستِ سلطانی کو نظامِ سیاسی کی باگ ڈور جو عوام ان اس کی شترکت ہے بلکہ ان کو بھی اللہ کی طرف سے امانت کے طور پر ملی ہے، اسے ہاتھ میں بیٹھنے کے بعد کوئی شخص عوام ان اس کے فائدے کے بجائے اپنی خواہشات کے ماتحت حرکت دے۔ یہ بندوں کی خداوندی قوتِ حکومت میں نمودار ہو امدادات میں، دکان میں یا کارخانہ میں، مدرسہ میں یا ہسپتال میں، شدید نفرت کے قابل ہے۔ سور کے گوشت اور شراب اور لہو سے بھی زیادہ نفرت کے قابل۔ کیونکہ ایک دفعہ اسے اگر سوئی کی نرک جتنا راستہ مل جائے تو پھر یہ پناہ راستہ خود بناتی ہے، حتیٰ کہ سب سے بڑا اسلام کے پورے نظامِ حق و عدل کو

اور سلطنتِ ظاہرہ ابھرنے لگتی ہے، مگر چونکہ یہ برس مختلف اشخاص میں کم و بیش ہو سکتی ہے، یعنی بعض اس کے زور کرنے سے دین و ایمان کے دائرہ سے باہر نکل کھڑے ہوتے ہیں، بعض صرف فسق و فجور کی حد تک پہنچ کے رک جاتے ہیں، بعض پر اس سے کم اثر ہوتا ہے، صرف اتنا کہ آرام طلب بن جائیں۔ پس سیاستِ ربانی میں ہوا و ہوس کی آیزز کے حسبِ دلیل مختلف مراتب ہو سکتے ہیں:-

مرتبہ اول:- امام لذاتِ نفس سے مطلوب تو ہو مگر اس کے ساتھ ظاہرِ شریعت کا پابند بھی رہے، یعنی فسق و فجور اور ظلم و جور پڑے اتر آئے۔ اس کی آرام طلبی شریعت کے اوامر و نواہی سے ظاہراً کوئی تعرض نہ کرے بلکہ وہ صرف گنجائشوں اور رخصتوں کی تلاش میں رہے اور ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ اس صورت کو سلطنتِ عادلہ کہا جائے گا۔

مرتبہ دوم:- امام پر نفسانیت کا اتنا غلبہ ہو کہ وہ کبھی کبھی مطلب برآری کے لیے ظاہرِ شریعت کے حلقہ کو بھی پھاڑتا ہے اور قاسقانہ بے باکیوں اور ظالمانہ دراز دستیوں کا مظاہرہ کر گزرے۔ مزید یہ کہ ان حرکات پر اس کی حسین عرقِ ندامت سے آلودہ نہ ہو اور دل تو بہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔ ایسے شخص کا نظامِ حکومت سلطنتِ جاہلہ کہلائے گا۔

مرتبہ سوم:- امام پر نفس پرستیوں کا غلبہ اتنا بڑھ جائے کہ اسے فسق اور عیاشی میں یکتائے روزگار بنا کے چھوڑ دے وہ استکبار و استبداد کی جی کھول کر داد دے۔ دین حق اور سنت نبوی کے مقابلہ میں ظالمانہ اور جاہلانہ قوانین گھڑ گھڑ کے لائے اور اپنے اس کرتوت کو ہنر و کمال سمجھ کر اس پر فخر کرے۔ ایسے حاکم کی حکومت کو ہم "سلطنتِ ضلالت" کا عنوان دیتے ہیں۔

مرتبہ چہارم:- نفس پرست امیر خود ساختہ احکام و قوانین کو ضوابطِ شرعی پر ترجیح دے اور کتاب و سنت کی پیروی کا مضحکہ اڑائے، اس کی اہانت کرے اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات اٹھائے۔ اپنے قوانین کے حق میں تو قصیدہ خوانی کرتا ہو لیکن شرعِ شریف کو محض لغویت اور ہرزہ گردی قرار دے۔ اس کے نزدیک بادشاہ کائنات کے احکام اور نبی کریم کے ارشادات (نمود بالمد) مزخرفات سے زیادہ وزن نہ رکھتے ہوں جن سے اس کے دھم کے مطابق صرف جہلا اور احمق فریب کھاتے ہیں۔ ایسی امارت اتحاد و زندہ کی عمارت کھڑی کرتی ہے اور ہم اسے اصطلاحاً "سلطنتِ کفر" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اب امامتِ حکمیہ کی ان چار قسموں کی تفصیل و توضیح کی جاتی ہے۔

۱۔ سلطنتِ عادلہ

سلطانِ عادل سے ایک ایسا سیاسی امیر مراد ہے جو ترقیِ جاہ و جلال اور زیادتِ عہد و اقبال کا طلبگار ہو، دوستوں آشناؤں میں ممتاز رہنا چاہے، شہروں اور علاقوں پر ذاتی تسلط رکھنے کا خواہشمند ہو، ملک فتح کرنے اور حکمِ جلال کا تمنا ہی ہو، عوام و خواص کے درمیان اپنا تفوق قائم کرنے کا حریص ہو۔ پھر لشکر اور فوجیں جمع کرنے کا، خزانوں اور دغینوں کی کثرت کا اور ایزہ پروردی اور دشمن کشی کا دلدادہ ہو۔ پھر اسے جسمانی لذات کی ایسی چاٹ

پڑھی ہو کہ پر شوکت محلوں اور دلیر باچن زاروں اور لذیذ کھانوں اور بھر کیلے لباسوں اور تیز زر گھوڑوں اور
 چمکتے ہتھیاروں اور خوش رنگ بھلون اور طرہ دار معشوقوں اور سرور کے طلقوں اور شراب کی محفلوں اور بڑا
 رفیقوں کے پیچھے پڑا ہے۔ اس کی شدید خواہش یہ ہو کہ زندگی کا دامن کلفت و رنج کے داعیوں سے پاک رہے اور
 اس خواہش کی گود میں ہواد ہوس کے گوناگوں نقتے پل پل کے جوان ہوتے رہیں۔ اس کے نزدیک نفس
 فتنوں کی خدمت گزار سی ثرہ سلطنت ہے اور ان کی خاطر وہ ہر گلی کی خاک چھاننے کے لیے پارہ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سب
 کچھ ہوتا ہے۔ مگر۔۔۔ اس کے ساتھ ساتھ اور کسی زکسی طرح وہ ظاہر شریعت کا احترام بھی ملحوظ رکھتا ہے اور انتہائی
 پریشان روی کے باوجود تو انہیں کتاب و سنت کے دائرہ کو بھانڈنے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ اس وجہ سے کہ شریعت کی
 ظاہری پابندی تک کو ختم کر دینے کے لیے نفس امارہ کا جتنا زور ضروری ہے وہ اس کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ اب
 ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شریعت کی پابندی کے باوجود امام مادل کو نفس کے تقاضے پر رے کرنے کا موقع کیسے ملتا ہے۔

نظام قانونی میں رہنے | یہ بات تو واضح ہے کہ بہت سے ایسے مالی (Financial) اور انتظامی (Executive)

معاملات امام کی رائے پر چھوڑے گئے ہیں جن پر شرع شریف نے تصریح سے حکم نہیں لگایا ہے۔ ایسے مسائل میں
 وقت کا امام جو فیصلہ دے گا اسی کو شریعت قرار دیا جائے گا۔ مثلاً انتظامی معاملات میں سے ایک معاملہ تزییر کی مقدار
 متعین کرنے کا ہے، یعنی جن جرائم کے لیے شریعت نے قطعی حد مقرر نہیں کی ہے، ان کے لیے سزا تجویز کرنا امام وقت
 کا کام ہے۔ چنانچہ فرض کیجیے کہ ایک ہی جرم مختلف اشخاص سے صادر ہوتا ہے اور یہ سب امام کے سامنے پیش کیے جاتے
 ہیں۔ اب یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ امام ان سب کے لیے ایک ہی سزا تجویز کرے، بلکہ وہ مختار ہے کہ کسی کو قید کرنے
 کسی کو تازیانہ لگانے، کسی کے لیے تھیر و تزییل کی کوئی شکل تجویز کرے، کسی سے عہدہ چھین لینے کو مفید مطلب جانے اور
 کسی سے صرف بے رخی اور بے اعتنائی کا سلوک کرنے پر اکتفا کرے۔ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہوں گی، یعنی ظاہر
 شریعت کے اعتبار سے اس طرح کے جائز فیصلے مسلمانوں کے لیے واجب التعمیل ہوں گے اور ان کی اطاعت سے
 گریز کرنا ایمان سے محروم کر دے گا۔ پھر اسی سلسلہ میں تفویض خدمات و مناصب کا معاملہ لیجیے، ادھر بھی امام کے
 اختیار تیزی کو بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ وہ کسی کو مرتبہ بلند پر پہنچاتا ہے اور کسی کو ادنیٰ مقام پر چھوڑ دیتا ہے، ایک

ٹھ جس نظام عدلیہ کا مقصد بندوں کی اخلاقی اصلاح ہو وہ اپنے امیر اور حکام کو اختیار تیزی کے استعمال کی گنجائش دے گا کیونکہ مختلف
 اشخاص کی اصلاح کے لیے مختلف مراتب و مدارج کی سزائیں کارگر ہوسکتی ہیں۔ ان وہ جرائم مستثنیٰ ہیں جن سے سوسائٹی میں کوئی بہت بڑا
 بگاڑ اور بہت بڑا فساد رونما ہوتا ہے، مثلاً قتل، چوری، زنا وغیرہ۔ لہٰذا یہاں بھی وہی صورت ہے، یعنی اگر کسی نظام میں سلطنت کے کارکن
 "سزات" کی بنا پر چھانے جاتے ہوں، تو وہاں ہر قسم کا بے وقوف حکومت کی مشین میں نصب ہو سکتا ہے، جیسا کہ موجودہ نظام میں
 آپ کسی منصب پر اس شخص کو مستکن پاتے ہیں جو اس منصب کے لیے پوری طرح نااہل ہوتا ہے، آخر علی قابلیت ہی دیکھنے کی چیز نہیں ہے
 آدمی کا تقویٰ مادی کی دیانت اور اس کا پورا کیر کڑا اس کا ذوق، اس کا جلی رجان اس کے خاندانی اور ورثاتی تاثرات یہ سب کچھ قابل ملاحظہ
 ہوتا ہے اور چیزیں کبھی بھی سند سے نہیں توئی جاسکتیں۔ اسی وجہ سے شریعت اسلام صاحب امر کو اختیار تیزی دیتی ہے۔ (ن۔ س)

ایک کو اپنے پہلو میں جگہ دیتا ہے اور دوسرے کو اپنے سے دور رکھتا ہے، کوئی اس کے اشارہ سے افسروں کا افسر ہو کے رہ جاتا ہے اور کوئی ادنیٰ درجہ کے چوہداروں اور چراسیوں کے حلقے سے آگے نہیں نکل سکتا۔ ان مختلف صورتوں میں قانون شریعت کی طرف سے امام پر کوئی حرج نہیں آتا، بلکہ اٹا جو شخص ایسے معاملات میں امام پر اعتراض کرتا اور اسے برا بھلا کہتا ہے، وہ عاصی و باغی اور مردود و مطرود قرار پائے گا۔

پھر ایسا ہی معاملہ قتل سیاسی کا ہے، یعنی جرائم کی بعض ایسی قسمیں ہیں کہ ان میں سے اگر کوئی جرم کسی شخص سے صاف ہو تو اگرچہ شرفا وہ مجرم کے قتل کو مقتضی نہیں ہے، لیکن اگر امام کی رائے اس کے قتل کا فیصلہ دے دے تو یہ قتل بالکل جائز ہوگا۔ ایسے ہی جنگ و صلح کے مسائل و معاملات ہیں کہ امام بعض اوقات جاہر و سرکش کفار کی سرکوبی میں قابل سے کام لیتا ہے اور کبھی مومن و مسلم باغیوں اور مجرموں کے خلاف یکدم برسہا برس پیکار ہو جاتا ہے۔ ان حدود میں امام اپنے اختیارات کو جیسے چاہے استعمال کرے، کسی کو اس سے قیل و قال کی مجال نہیں ہوگی۔

اب رہے وہ شرعی معاملات جو آیات سے متعلق ہیں، وہ بڑی لمبی چوڑی بحث کے محتاج ہیں، مگر یہاں غلامیہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اموال غنیمت کے سوا بیت المال کے دوسرے اموال کی تقسیم میں تمام مسلمانوں سے مساوات کا سلوک کرنا امام پر واجب نہیں ہے۔ وہ چاہے تو کسی کو ہزار ہا روپے یک مشت عطا کر سکتا ہے اور کسی دوسرے کو چاہے تو ایک پھوٹی کپڑی بھی نہ دے۔ اس پر بھی محروم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوئی چون و چرا کرے۔ اگر وہ چون و چرا کرتا ہے اور اعتراض اٹھاتا ہے اور اطاعت امیر کے دائرہ سے قدم باہر نکالتا ہے تو وہ بارگاہ حق میں نامقبول اور قرب الہی سے محروم نظر آتا ہے۔ بہر حال اس نوعیت کے معاملات و مساعی جو امام وقت کی رائے پر چھوڑے گئے ہیں، بے شمار ہیں، ان میں نمونہ کے طور پر بعض کا ذکر کر دیا گیا ہے اور بقیہ مثالوں میں سے بیشتر کا تذکرہ آئندہ ابواب میں دلائل و شواہد کے ساتھ آئے گا۔ انشاء اللہ۔

یہاں معاملے بیان صرف یہ ہے کہ ان اختیاری معاملات میں خلیفہ راشد بھی حکم لگاتا ہے اور سلطان عادل بھی، لیکن دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ خلیفہ راشد کے تصرفات کا مقصد احکام الہی کی اطاعت، دنیا کی اصلاح اور نفع انسانی کی صحیح تربیت ہوتا ہے۔ یعنی جتنے گونا گوں معاملات، برقیوں مقدمات اور رنگا رنگ احکام اس کی طرف سے صادر ہوتے ہیں

سے یہاں بھی امام کے وسیع اختیارات تیزی کا ذکر ہے اور یہاں بھی ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ نفاذ عدل اور تقسیم نامناسب کے مسائل کے مقابلہ میں امور سیاسیہ و مسائل صلح و جنگ کے لیے کوئی منتقل حکم مستعین کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے، کیونکہ ان امور کے متعلق کوئی حکم لگاتے ہوئے بدلنے والے حالات کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ پس ان مسائل میں بھی امام کو اپنی بصیرت سے کام لینے کے لیے جائز مدد گنجائش دی گئی ہے۔ (ن۔ م) یہ بیت المال کے صرف میں بھی بڑی حد تک امیر المومنین کو اپنی حکیمانہ نظر سے کام لینے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ یہ باتیں ہمیشہ کے لیے نہیں کی جاسکتیں کہ کیسے شخص کو کیسے حالات میں کتا دینا اس شخص کیلئے اور سوسائٹی کے لیے مفید ہے۔ صحیح ہے کہ خلیفہ کی دست اختیار نظر بھی ہو سکتی ہے مگر جہاں یہ نہیں ہوتی وہاں نظام نشینی اور دفتر کا ہوتا ہے، انسانی نہیں ہوتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نشینی اور دفتری نظاموں کے تحت سوسائٹی کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کتنی ہی جاذب نظر ہو انسان کو حقیقی اس امر سے دست بردار ہوگی۔

وہ صرف مفاد ملت اور انتظام امت کے لیے ہوتے ہیں۔ وہ کسی پر نگاہ کرم سے متوجہ ہوتا ہے تو دوستی اور قرابت کی پاسدار سے نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کسی کی تذلیل کرتا ہے تو کسی ذاتی مخالفت و عداوت کے ماتحت انتقاماً نہیں کرتا، بلکہ جس اور کو نظام امت اور مفاد ملت کے لیے مناسب سمجھتا ہے صرف اس کو اختیار کرتا ہے، اور دل و جان سے اختیار کرتا ہے وہ جس شخص کو کسی خدمت کے لیے موزوں سمجھے گا ضرور اسی کو وہ خدمت سونپے گا، چاہے وہ اس کا دلی دوست ہو یا جانی دشمن؛ — بخلاف اس کے سلطان عادل کا معاملہ دوسرا ہے، یعنی اگرچہ وہ احکام دین اور آثار سنت میں کوئی مداخلت نہیں کرتا، بلکہ صرف مذکورہ بالا اختیاری اٹوپی میں تصرف کرتا ہے، لیکن اس تصرف کی مختلف صورتوں میں وہ اپنے نفس کے تقاضوں کی رعایت ضرور کرتا ہے۔ مثلاً دو آدمیوں سے ایک ہی جرم سرزد ہوتا ہے، ایسا جرم جس کے لیے مد شرعی متعین نہیں ہے، بلکہ اس پر امام کو تعزیر اپنی رائے سے قائم کرنی ہے۔ اب یہ ممکن ہے کہ ایک گنیے قید و تازیانہ کی سزا نافذ ہو جائے اور دوسرے کے لیے صرف نگاہ لطف کا پھیر لینا مناسب قرار پائے۔ اس امتیازی رویہ میں خلیفہ راشد تو یہ ملحوظ رکھے گا کہ مجرموں کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے، پھر جس کے متعلق اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ قید و تازیانہ کے بغیر راہ راست پر نہیں آسکتا، اس پر سخت تعزیر نافذ کرے گا اور جس کے متعلق وہ یہ اندازہ کرنے کا کہ یہ صرف آثار تقاضی سے درست ہو سکتا ہے اور اگر اس کی زیادہ تذلیل کی گئی تو محبت جاہلیہ اس کے اندر اس تک اس بھرے گی، کہ خود کشی کی نوبت آسکتی ہے تو اس کے لیے ہلکی سزا مقرر کرے گا۔ مگر سلطان عادل ایسے موقع پر جو بیچارے کا ان میں نفاذ بھی سرایت کر سکے گی۔ مثلاً اس کے سامنے ایک مجرم آتا ہے جس کے خلاف اس کے دل میں پہلے سے کینہ بھرا ہوا ہے، مگر شرعاً کسی جرم کے اثبات کے بغیر سلطان بے بس تھا اور انتقام کی آگ نہ بجھا سکا مگر اب جرم ثابت ہوتے ہی نفس کا تقاضا پورا کرنے کے لیے بدھ رعالت سازگار ہوئے اور اوپر وہ مجرم پر جھپٹ پڑا اور کسی سخت سزا کا حکم دے دیا۔

سطور بالا میں خلافت راشدہ اور سلطنت عادلہ کا نازک فرق ضروری حد تک بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگرچہ سلطنت عادلہ کے نظام سے بظاہر شرع شریعت کو فائدہ پہنچتا ہے مگر درحقیقت یہ نظام اس کے لیے مضر ہے۔ اکابر امت کو خصوصیت سے اس سے سزا پہنچتا ہے اور تزکیہ نفس، حسن خلق، اخلاص عمل، خیر خواہی خلق اللہ اور تربیت عباد اللہ میں سیرت پھیر اور سنت رسول کو جو دخل ہوتا ہے وہ دھیرے دھیرے ختم ہونے لگتا ہے اور علماء و زعمائے امت جو فضائل دینی کے لحاظ سے واجب انتظام ہوتے ہیں، ان کا کوئی ذکر نہیں رہتا؛ کیونکہ سلطنت عادلہ کے

لئے ایسے مفاسد کی روک تھام کے لیے دنیا کا کوئی قانونی نظام کامیاب تدابیر نہیں اختیار کر سکا ہے، مگر اسلام نے تو انسانی زندگی کو اخلاقیات کی اساس پر کھڑا کر کے بڑی حد تک رخنہ بندی کر دی ہے۔ اب اگر کوئی ایسا قانون پرست اس کی سوسائٹی میں آجھرتا ہے تو اس کا کیا علاج؟ — یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ اجتہادی تدابیر نظام حکومت اور نظام عدالت کے خارجی ڈھانچہ کی تعمیر میں ایسی اختیار کی جائیں جن سے ایسے مفاسد کا ظہور اور بھی بعید از امکان ہو جائے۔ (ن۔ ص) — ذرا غور کیجئے کہ سلطنت عادلہ جو خلافت راشدہ سے ایک ہی درجہ فزور ہوتی ہے وہ تک شریعت کے لیے مفر اور اصلاح و تربیت انسانی میں غیر سود مند ہے — مگر گویا یہ حال کنخالص طاغوت کی حکومت، شیطان کی سیاست، فرعون اور نمرود کا اقتدار مسلمانوں کے ہاں سے سزاوار حاصل کر لیتا ہے۔ (ن۔ ص)

دور میں بڑے سے بڑے تیس اراخانوں کا دینی کارنامہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ چند مسائل فقہ کو رٹ لیں اور انہیں ڈھال بنا کر سلطان وقت کے گزند سے محفوظ رہیں یا اگر ضرورت پڑے تو کسی دشمن کو اپنے علم فقہ کے زور سے عدالت کے سامنے مجرم ثابت کر دکھائیں۔ یہ چیزیں روح شریعت کو بری طرح مجروح کر دیتی ہیں، درنہاں لیکر اس کا نظر فریب ڈھا کچھ جوں کا توں کھڑا نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے ایسے نظام کو حدیث میں "ملک عضو من" (سلطنت مستبد) کی اصطلاح سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً خلافت راشدہ کے بعد نمودار ہونے والے نظام کی طرف حسب ذیل اشارہ ملاحظہ ہو:-

هذا كما مر ببدء نبوة وسراحة ثم يكون
 خلافة وسراحة. ثم يكون ملكا عضو من
 کی شکل اختیار کرے گا۔ پھر مستبد بادشاہی بنے گا۔

اس موقع پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ سلطنت عادلہ اعلیٰ اور ادنیٰ دو قسم کی ہوتی ہے۔ اس تقسیم کارا زیر ہے کہ ظاہر شرع کی پاسداری جو سلطنت عادلہ کی لازمی علامت ہے، دو وجود سے برقرار رہتی ہے، یعنی یا تو خوف خدا اس کا سبب ہوتا ہے یا پاس مخلوق! پس اگر خوف خدا وانی صورت ہو تو سلطنت عادلہ اعلیٰ ہوگی اور اگر بندوں کے خوف کی صورت ہو تو ادنیٰ۔

سلطنت کاملہ اعلیٰ قسم کی سلطنت عادلہ میں سلطان شریعت کی پاسداری ایمان کی وجہ سے کرتا ہے کہ اس کے نزدیک خدا تعالیٰ بادشاہ مطلق اور مالک برحق ہے اور وہ ناتوانوں، عاجزوں کا سہارا اور کثیر و قلیل پر قادر اور اعلیٰ و ادنیٰ پر غالب ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس کے بیخود قدرت میں بے بس محسوس کرتا ہے۔ اس صداقت پر بھی اسے یقین ہوتا ہے کہ ایک دن رب الارباب کی بارگاہ میں ٹھکرنا حساب کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں سے ہر گستاخی و شوخ چٹخی کا پورا پورا بدلہ ملنا ہے، نیز یہ کہ اس بارگاہ میں بادشاہ مقتدر اور مسکین بے بس یکساں مسؤل ہوں گے اور انصاف سب یکساں نافذ ہوگا۔ پھر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہاں چل کر جبر اور کبر، ظلم اور جور، فسق و فجور و بال جان ہو جائیں گے اور ان کا مرتکب لعنت و عذاب کا مستحق ہوگا۔ وہاں کسٹم توڑنے والے آگ کے ٹکڑے میں کے جائیں گے اور خود پسند سرکشوں کو ذلت کا طوق پہنایا جائے گا۔

اس حالت میں اگرچہ سلطان کو نفس امارہ گمراہی کی طرف کھینچتا ہے، مگر دوسری طرف سے خوف خدا اسے تتر بے نہیں بننے دیتا۔ چنانچہ اگر بتقا عنانے بشریت وہ راہ حق سے ذرا ادھر ادھر ہو بھی جاتا ہے تو یہی خوف خدا گھسیٹ کر اسے پھر راہ راست پر لے آتا ہے۔ پس وہ لذات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے شریعت کی دی ہوئی رخصتوں اور گنجائشوں کی حد تک ہی تڑکتا رہتا ہے۔ مثلاً اس کی چشم حسد لاکھ مطالبہ کرے کہ فلاں عاجز پر دست تقدی دراز

لے کیا بصیرت افزو زبات کسی ہے! سبحان اللہ! لیکن مسائل فقہ کی رٹائی "آغاز اعطاط میں اتنی کہاں ہوگی جتنی اہل جہان آج تیرے اراخان کا کمال یہ ہے کہ صرف پانچاموں اور داڑھیوں کے طول اپنے کافن رٹے رٹے عمریں گزار دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنے تقدس کی دھاک بٹھاتے ہیں اور پھر اس تقدس سے امامت و امارت اور خطابت و صدارت اور کچھ نہ کچھ "آب دنان" بھی حاصل کرتے پھرتے ہیں۔ (ن، ص)

کرنا چاہئے۔ لیکن وہ اس عاجز کے متعینہ شرعی حقوق کی پاسداری میں طوعاً و کرہاً اپنے پنچہ اقتدار کو سمیٹے رہتا ہے، تا وقتیکہ اس پر شرفاً کوئی جرم ثابت نہ ہو جائے۔ جرم اگر ثابت ہو گیا تو اس کا کینہہ دیرینہ کھولے گا اور اس کے فیصلہ کو متاثر کرے گا۔ اسی طرح کسی سینہ دربار کے اشتیاق میں اسکا دل کتنا ہی پیچ و تاب کیوں دکھائے اور شوق وصال اسے کتنا ہی بے حال کیوں دکردے، لیکن تا وقتیکہ نکاح منعقد نہ ہو جائے، وہ جام وصال کو ہونٹوں سے نہ لگائے گا۔ ہاں نکاح کی سعی میں ضرور اپنے قیمتی اوقات اور اپنے بیڑا بہا اموال صرف کر کے سرگرداں رہے گا۔

اسی طرح اس کا نفس اگرچہ بزور یہ مطالبہ کرے گا کہ مطلب براری کے لیے ارباب کبر و جفا کے ہتھکنڈے سے استعمال کرنے چاہئیں، لیکن وہ حدیث الکبریٰ (۱) والکبریٰ (۲) والکبریٰ (۳) (یعنی خدا نبی کے ذریعے سے فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے) کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مطالبہ کو لو کر دے گا اور اپنے آپ کو شہت و برخواست اور رفتار و گفتار میں صرف اتنے ہی امتیاز کا مستحق سمجھے گا جتنے امتیاز کے لیے شرفاً اجازت ثابت ہو۔ اس کو یہ کبھی گوارا نہیں ہوگا کہ قیصروں اور کسراؤں اور دوسرے جبارہ کے طور طریقے جو شرعاً حرام ہیں، اختیار کرے۔

ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ اگرچہ سلطان عادل کی زندگی پر سیرت انبیاء و خلفاء کی قیادہ درست نہیں بیٹھی، مگر پھر بھی شریعت کے قانونی نظام کی طرف سے اس پر کوئی الزام وارد نہ ہوگا۔ دراصل اس کے دل میں ایمان کا شعہ ضرور بھڑک رہا ہوتا ہے مگر ہوا و ہوس کا دھواں اس کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ اس کی ریح میں یقین کی بجلی ضرور چمکتی ہے لیکن فساد نیت کی تاریکیاں اسے ڈھانپ لیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو حدیث کی روایت۔

قال۔ قلت یا رسول اللہ! هل بعد هذا الخیر من الشر؟ قال نعم! قلت وهل بعد ذلك الشر من الخیر؟ قال نعم، وفيه دخن! قلت وما دخنه؟ قال يستنون بغیر سنتی ویهدون بغیر ہدی!

عزیزہ کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ فرمایا ہاں! پھر میں نے پوچھا کیا اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگا؟ فرمایا ہاں اور اس کے ساتھ تیرگی ہوگی۔ میں نے پوچھا کہ اس تیرگی کیا ہوگی؟ فرمایا کہ (امراء سلاطین) میری سنت سے ہٹ کر چلیں گے اور میری ہدایت سے ہٹ کر قیادت کریں گے۔

اس روایت میں اول الذکر خیر سے مراد نبوت اور خلافت راشدہ کا دور رحمت ہے، ثانی الذکر خیر اشارہ ہے سلطنت عادل کے قیام کی طرف اور لفظ "دخن" اور اس کے بعد کا توضیحی جملہ یہ واضح کرتا ہے کہ جس دور کی خبر دی جا رہی ہے وہ نظام سلطنت کا دور ہوگا، نہ کہ خلافت راشدہ کا یہ خاص طرز کا نظام حکومت جس میں خوف خدا کی وجہ سے ظاہر و باطن کا لٹی فکریا جاتا ہے، ہماری اصطلاح میں "سلطنت کاملہ" ہے۔

سلطنت ناقصہ اب لیجیو دوسرا پہلو، یعنی سلطان عادل کے دل میں خوف خدا اس حد تک پہنچا ہوا نہیں ہوتا کہ اس کے نفس امامہ کا مسترد و کسکے، لیکن بندوں کی شرم اس کا دامن پکڑ لیتی ہے اور نفسانیت کے زور میں اسے احاطہ شریعت سے باہر نکلنے نہیں دیتی، خود اس شرم کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں، مثلاً کبھی تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جس ملک میں سلطنت عادل قائم ہوتی ہے اس کے خواص و اکابر دیندار اور مطیع شریعت ہوتے ہیں، یا کم از کم مادہ

لوگوں کے اندر اتباع شریعت برقرار رہتا ہے اور ہر کس و ناکس اور مومن و منافق دین کے بندھن میں کسا رہتا ہے۔ ایسے حالات میں سلطان خوب سمجھتا ہے کہ اگر ظاہر شریعت کی مخالفت کرے گا تو جمہور میں بدنام ہوگا، جس کے نتیجے میں عین ممکن ہے کہ اس کے خلاف شورش برپا ہو جائے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سلطان کے لیے اس کے پیش رو سلاطین کا اتباع شریعت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ وہ اگر اس کے آباد و اجداد تھے تو وہ اچھی طرح محسوس کرتا ہے کہ ان کا خلف ارشید اور جائز جانشین قرار پانے کے لیے انہی کے دستور پر چلنا ہوگا ورنہ وہ ان کا نائب سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر سلطان ان کی نسل سے نہ ہو تو بھی وہ یہ کوشش کرے گا کہ ان کے برابر بلکہ ان سے کچھ زیادہ نیک نامی حاصل کرے، پھر کہیں یہ صورت پائی جاتی ہے کہ سلطان عادل کا دور خلافت راشدہ کے دور سے بالکل متصل ہوتا ہے، اس وجہ سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس کی روش سیرت خلفائے راشدین کے بالکل خلاف ہوگی تو چھوٹے بڑے سبھی اس سے نفرت کریں گے اور اپنی زمام اختیار اس کے قبضہ میں نہ رہنے دیں گے، پس وہ شریعت کی نافرمانی پاسداری کرتا ہے اور اس کی حدود کو کھنم کھلا نہیں پھانڈ جاتا۔

گوان ساری صورتوں میں پایا جانے والے جان جاتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے کیونکہ اہل صدق و اخلاص اور ارباب نصح و نصیحت کے اعمال میں بہت فرق ہوتا ہے۔ معمولی فراست رکھنے والا بھی یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس شخص کا کردار ایک کھوکھلا قالب ہے جس میں مطلقاً جان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان عادل کی دیانت اور اس کا تشریح سچے مسلمانوں کے نزدیک ایک لحاظ سے مرغوب ہوتا ہے اور ایک لحاظ سے نامرغوب! مرغوب اس لحاظ سے کہ اس کا ڈھانچہ شریعت کے مطابق ہے اور نامرغوب اس وجہ سے کہ اس کی دیانت و تشریح کا ظہور ایک مکار و ریاکار شخص سے ہو رہا ہے۔ اس کے افعال ایک مومن مخلص کی نگاہ میں بیک وقت سعوت کی تعریف میں بھی آتے ہیں اور منکر کی تعریف میں بھی۔ یہ صورت ذیل کے فرمودہ نبوت کے عین مطابق ہے:

لیکون حلیکم امراء تعرفون و تنکرون تم پر ایسے امیر ہوں گے جو سعوت و منکر دونوں پر چلیں گے۔

سلطنت عادلہ کی یہ شکل جس میں خوف خدا کی جگہ بندوں کا پاس سلطان کو ظاہر شریعت کا پابند رکھتا ہے، ہماری اصطلاح میں سلطنت ناقصہ کہلاتا ہے۔
چند اہم اشارات | ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر گذشتہ بحث (سلطنت کاملہ) سے تعلق رکھنے والے چند اہم نکات کا تذکرہ کر دیا جائے۔

یہ درست ہے کہ احترام قانون کے ہوتے ہوئے جو اخلاقی زوال کسی شخص کی سیرت میں آجاتا ہے، اسے قانون کے کانٹے پر تو لانا نہیں جاسکتا اور نہ اس پر کوئی سزا نافذ ہو سکتی ہے، مگر یہ زوال بالکل غیر محسوس بھی نہیں ہوتا۔ عقل عام تھوڑے سے غریب کے بعد معلوم کر سکتی ہے کہ کسی شخص کی حرکات و خلاق جان ہے یا نہیں۔ چنانچہ قانون سے فائدہ اٹھانے والے قانونی "امیر" سے اصحاب شوہی قدم قدم پر تفریح طلب کر سکتے ہیں، پر اس پر تنقید کرے گا اور محراب و منبر سے اس کی تذکیر کی جائے گی اور اس طرح کے مستقل دباؤ سے اس کی اصلاح کا امکان بھی ہوگا اور رعایا کی سیاسی تربیت بھی ہوتی رہے گی۔ (ن، ص)

اشارہ (۱)۔ سلطان کامل حکماً خلیفہ راشد ہے !

معاہدہ ہے کہ اگرچہ درحقیقت وہ خلافت راشدہ کے منصب سے محروم ہے، لیکن چونکہ اس کے نظم میں خلافت راشدہ کا ایک اعلیٰ ترین وصف موجود ہوتا ہے، یعنی ظاہر شرع کی خدمت جسے صدق و اخلاص کے ساتھ سلطان سرانجام دیتا ہے، اس لیے اگر اس کے سامعین میں کوئی ایسا امام موجود ہو جو خلافت راشدہ کا نظم چلانے کی یہاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے بھی مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی غیر سیاسی امامت پر فائز رہے اور اپنی ساری کوششیں ہدایت کو پھیلانے میں صرف کر دے۔ وہ میدان سیاست میں سلطان کامل سے دست درگریاں نہ ہو اور رعیت و سپاہ کو جنگ و جدال کے لیے اکسا کر خستہ حال نہ کر دے۔ یہ صحیح ہے کہ اس طرح خلافت راشدہ کا عالی قدر منصب اس کے ہاتھ سے جاتا ہے، لیکن بندگان خدا کی غیر خواہی میں بطور رضا بقضاء سے یہ نقصان گوارا کرنا چاہیے اور اپنے اس صبر کو جمہور مسلمین کے لیے ویسی ہی قربانی قرار دینا چاہیے جیسی حضرت حسن مجتبیٰ نے دی تھی کہ آپ نے سلطان شام کی مزاحمت سے اپنے آپ کو روک لیا۔ اسی قربانی کے پیش نظر حضرت موصوت نے لیے رسول مقبول کی زبان سے پیشگی کلمات ستائش وارد ہونے تھے کہ :-

ان انبی ہذا سید لعل اللہ ان یصلیہ میرا یہ بچہ سردار ہوگا، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے
فدیتین عظیمتین من المسلمین سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے۔
اس حدیث سے یہ بات بھی کھل گئی کہ خدا اور رسول کے نزدیک سلطان کامل کے حق میں "اجتماع کلمہ" پسندیدہ ہے اور اس کی اطاعت بارگاہ حق تعالیٰ میں مقبول ہے۔

اشارہ (۲) سلطان کامل خلفائے راشدین اور امام سلاطین کے درمیان برزخ ہے۔

یعنی اگر بادشاہوں کے حالات کو دیکھا جائے تو ان کے مقابلہ میں سلطان کامل خلیفہ راشد قرار پاتا ہے۔ لیکن خلفائے راشدین کی طرف نظر کی جائے تو وہ ان کے مقابلہ میں محض ایک بادشاہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ سلطان شام نے خوب کہا تھا کہ :-
لست فیکم مثل ابی بکر و عمر و لکن مستورین میں تمہارے اندر ابی بکر و عمر کی طرح نہیں، مگر امرا، اگر تم میرے امراء بعدی ہو۔

بہر حال سلطان کامل کا دور اقتدار چونکہ دور نبوت اور دور خلافت راشدہ کے ساتھ ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے اس وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آغاز دور نبوت سے لے کر سلطنت کاملہ کے اختتام تک ترقی اسلام کا زمانہ ہے۔ اس پر اس کو یہ حدیث ہو کہ کرتی ہے :-

تدا و ساری الا سلام خمس و ثلاثین او اسلام کی چکی ملتیں رنگی ۵۰، ۶۰، ۷۰، ۸۰، ۹۰ سال تک، پس اگر ہلاک ہو گئے تو ان
ست و ثلاثین او سبع و ثلاثین فان یھلکو لوگوں کے طریقہ پر ہلاک ہوں گے جو ہلاک ہو گئے اور اگر ان کا

عہد نامہ کی اصطلاح بہت وسیع الاستعمال ہے یعنی "مقدور سیاسی امامت" کی طرف بھی اس کا اشارہ ہو سکتا ہے اور غیر سیاسی امامت کی طرف بھی، جیسا کہ شاہ صاحب نے کتاب کے ابتدائی حصہ میں وضاحت سے حقیقت امامت پر بحث فرمائی ہے۔ پس بیان امام سے مراد ایسی آیت ہے جو جاہل، سیادت، ہدایت وغیرہ کے مناسب پرفان نہ ہو مگر سیاست کے نظم میں اسے برابر امامت کوئی اول نہ ہو۔ (ن۔ ص) "اجتماع کلمہ" سے مراد یہ ہے کہ جمہور مسلمین کو اس کی اطاعت پر متفق ہو جانا چاہیے (ن۔ ص)

فبیبیل من ھلک۔ وان یقیم لھم دینھم یقیم لھم دین ان کے لیے قائم رہا تو . . . سال تک قائم رہے گا
 سبعین عامًا

کلمہ "ان یصلکوا" سے انتظامِ خلافت کی برہمی اور دورِ خلافت کے آخر میں ظہورِ فتنہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔
 کلمہ "ان یقیم لھم دینھم" سے دورِ نبوت، دورِ خلافت اور دورِ سلطنتِ کاملہ کے مجموعی زمانہ کی ترقی اسلام مراد ہے۔
 ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ :-

تعوذوا باللہ من سراسر المسبعین
 مشیہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔

یہاں اشارہ ہے سلطنتِ کاملہ کے خاتمہ کی طرف، جس کو ملحوظ رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تینوں دور
 مل کر ایک زمانہ پر کثرت قرار پاتے ہیں اور وہ عظیم الشان شرفِ فساد (ملوکیت) جس سے خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیے،
 اس مجموعی زمانہ کے خاتمہ پر ظہور پائے گا۔

اشارہ (۳) سلطانِ کامل کو ایک حد تک نیابتِ پنیر بھی حاصل ہے۔
 یہ صحیح ہے کہ اس کی ریاست کو خلافتِ نبوت نہیں کہہ سکتے، لیکن وہ سلطنتِ نبوت ضرور ہے۔ بشتِ محمدی کے متعلق
 ایک اہامی پیشینگوئی کے یہ الفاظ اس مدعا کی طرف اشارہ کرتے ہیں :-

مہاجرہ طیبہ و مملکہ بالشام
 اس کا دار الحجرت طیبہ (مدینہ) اور دار السلطنت شام ہوگا۔

پس جس طرح کی اطاعتِ کامل نبی کے لیے مطلوب ہے، اسی طرح کی اطاعتِ کامل کا حق دارِ سلطانِ کامل بھی
 ہے، باوجودیکہ سیرت کی تکمیل، تقربِ الہی اللہ کے حصول، خلقِ خدا سے حسنِ معاملہ اور بندگانِ خدا کی تربیت کے لیے
 ضروری دیانت کی جو پابندی اور نور ہدایت کی جیسی پیروی ناگزیر ہے اس کا اور اس سے قطعاً نہیں لیا جاسکتا۔
 اشارہ (۴) سلطانِ کامل حسن ظن کا مستحق ہے۔

سلطانِ کامل کے متعلق یہ تو طے ہے کہ وہ حقیقۃً ایمان و اخلاص کا مالک ہے، پھر بعض قابلِ قدر کارنامے بھی اس کے
 ہاتھوں سے انجام پاتے ہیں، نیز یہ کہ اس کے اقتدار سے ظاہر شریعت کو ترقی ملتی ہے۔ ان خوبیوں کے ساتھ اگر
 بشری تقاضوں کے ماتحت اصلاحِ اخلاق کے شعبے میں اس سے کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے یا کوئی چیز سنت کے

لے اطاعتِ کامل سے غیر محدود اور غیر مشروط اطاعت ہرگز متصور نہ ہونی چاہیے۔ مدعا یہ ہے کہ اطاعتِ اللہ مخلوق
 فی معصیۃ الخالق کی اول شرط کے ساتھ اس کے احکام کی پوری طرح پیروی کرنی چاہیے۔ علاوہ بریں اطاعتِ
 کامل تنقید و تذکیر کے حق کو ہرگز سلب نہیں کرتی۔ آپ سلطانِ کامل کے تمام جائز احکام کی پابندی بھی کریں اور
 اس کے ساتھ وہ اخلاقیات و روحانیت کی کمزوری کا جہاں جہاں مظاہرہ کرے اور نفس پرستی کے لیے شریعت کی گنجائشوں کو
 پابندیہ طریق سے استعمال کرے تو اسے دُور در دُور ہو کے نصیحت کیجئے، پر میں اور نیز و محراب کی طاقت کو تنقید و تذکیر کے لیے استعمال کیجئے
 اور اب شورعی کو بھی اس مفہوم میں اپنا ہم نوا بنائیے۔ بس بناوٹ پر پناہ کیجئے، تا وقتیکہ آپ کو ضابطہ شریعت اس کا حق نہ دیتا ہو۔ (ان ص)

خلافت سرزد ہو جاتی ہے تو اس سے چشم پوشی ہی مناسب ہے۔ جہاں تک ہو سکے، دل و جان سے اس کی خیر خواہی کی جائے اور اس کے مخوڑے عمل کو بہت اور اس کی چھوٹی نیکی کو بڑا سمجھا جائے۔ اس رعایت کی وجہ یہ ہے کہ لذت نفسانی کی دار فنگی کے باوجود اس کے دل میں دین رب العالمین کی خدمت کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ کمال صدق و محبت ہیں، نقص گناہ کہ ہر کہنے ہنر افتادہ نظر بعیب گذر۔

۲۔ سلطنت جاہرہ

سلطان جاہر اس امر کو کہیں گے جس پر نفس امارہ کا اتنا زیادہ غلبہ ہو چکا ہو کہ نہ خوف خدا سے مانع ہو نہ شرم مخلوق! نہ شرع کی پروا ہو نہ عرف کا لحاظ! بس نفس کی طرف سے کوئی فرمان صادر ہو تو توجہ سے اس کی تعمیل ہو گئی، چاہے شرمیت موافق ہو چاہے مخالف۔ اس کے نزدیک تو اپنی خواہشات کا پورا کر لینا ہی سلطنت کا فہم ہے مقصود ہے۔ ایسے لوگوں کا "نظام حکومت" سلطنت جاہرہ کہلاتا ہے۔

یہ طوفان ہے کہ سلاطین جاہرہ شرع کی مخالفت میں مزاج کی افتاد کے مطابق مختلف مدارج پر فائز ہوتے ہیں کوئی سرشار کبر و نخوت ہوتا ہے تو کسی دوسرے کو ناز و تبخیر کے مظاہرہ کا خاص ذوق ہوتا ہے، کسی کو جو رو تقدیر سے اور کسی کو فسق و فجور سے خاص مناسبت ہوتی ہے، کوئی صنغی لذات میں سرمست ہے تو کوئی شراب گلگوں کا رسیا، ایک چٹ پٹے کھا لڑیاں کا شیدا ہے اور دوسرا نفیس پوشاکوں پر فریفتہ۔ کہیں کھیل تماشہ سے زیادہ دلچسپی ہے اور کہیں نغمہ و سرود سے خاص دلچسپی ہے۔ ہر حال ہوا دہوس کے راستے بے شمار ہیں اور نفس پستی کی شکلیں لاتعداد اور اگر ان کی تفصیل شروع کر دی جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے کئی صفحے چاہئیں۔ یہاں اس شجر جنیث کی چند بڑی بڑی شاخوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے، جن سے آگے بے شمار فروغ نکلتی ہیں۔

۱۔ **سفاہت** | مخالفت شرع کی ایک وجہ سلطان جاہر کی سفاہت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ نعمت عقل و خود سے جو شخص محروم اور دور اندیشی کے فن سے کو راہزادہ کسی اصول و مسلک کی پیروی میں استقامت کیا دکھائے گا اور اس ستانت کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے؟ اس کے نزدیک و فادو استقلال کی صفت کو کوئی قیمت حاصل نہ ہوگی۔ نہ ننگ و عار کا اسے ذرہ بھر پاس ہوگا۔ اپنی سفاہت کی وجہ سے وہ ہر خواہش کو جس کا گذر آدمی کے دل میں ہو سکتا ہے

لے سلطان کمال کو جو سب سے بڑی رعایت دی جاسکتی ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان اس کی اطاعت کریں مگر یہ کہ اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کے سموی اعمال کو اصل سے دگن چو گن تصور کیا جائے، ایسی رعایت ہمارے نزدیک مضر مقصد ہے۔ احرا کے متعلق یہ صورت اختیار کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ ہر گلا قدم زوال کی طرف اٹھے، جیسا کہ خلافت راشدہ کے دور کی سیاسی تاریخ میں ہوا ہے۔ جس نظام سیاسی میں فرد واحد کے بگاڑ پر پوری ریاست کا بگاڑ جانا مقرر ہو، اس میں یہ کبھی بھی مناسب نہیں ہے کہ اس فرد واحد کی ہر حرکت کو حسن ظن کی عینک دکھا کر خوشنما بنا لیا جائے اور اس کے رائی کے دانہ جتنے کارناموں کو عقیدت کی خوردبین سے ہزار گونے کر کے دکھا جائے۔ جی نہیں! اگر ریاست اور رعایا اور دنیا کے عظیم انسان مفاد کہ ہیں پاس ہوگا تو ہم ادنیٰ سے (بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

فوراً پھری کرنے کی فکر کرے گا۔ یہ ہرگز نہ دیکھے گا کہ اس سے کیا نفع و نقصان ہو سکتا ہے اور اس کا آخری نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔
 وہ جو کچھ کرے گا، بالکل بچوں کی طرح دیوانہ وار کرے گا اور جہاں جہاں منہ مارے گا ٹھیک شتر بے مدار کی طرح مارے گا۔
 اس طرز کا آدمی جب منصب سلطنت پر براجمان ہوتا ہے تو سیاست کا سارا کاروبار چھوٹا ہو جاتا ہے، کیونکہ
 اس کے کروت و تروا میں شریعت کے پابند ہوتے ہیں، ان میں عرفی کے مطابق۔ ایسے شخص کی سلطنت میں کون ہے جو
 تالاں نہ ہوگا، چھوٹے بڑے اور خواص و عوام سبھی دکھ پاپا کر فریاد کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بلائے عظیم ہے جس کی گرفت
 سے نادان و دانا اور غافل و ہشیار سبھی چھوٹ جھاگتا چاہتے ہیں۔ ذیل کی حدیث میں اسی بلائے عظیم کی طرف اشارہ ہے
 اعیننا باللہ من امارۃ السفہاء وقال میں تمہارے لیے امر کی پناہ مانگتا ہوں جو قوفوں کی امارت اور فرمایا
 تعوذوا باللہ من رأس السبعین و امارۃ الصبیان کہ امر کی پناہ مانگو شہر سے اور لوٹو ان کی حکومت سے۔
 یوں بھی فرمایا کر :-

هلك امتی علی ایدی غیلۃ من قریش میری امت قریش کے چند چھو کر دس کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔
 ب۔ عیش پرستی | آپ جانتے ہیں کہ بعض لوگ کسی جلی سبب کے تحت اپنی قوت شہوانیہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں
 اسے لوگوں کی ساری قوتیں لذتوں اور راحتوں کے جنوں میں صرف ہوتی ہیں اور ان کی عقل عیاشی کی بھول بھلیاں
 میں گم رہتی ہے۔ دن رات چٹ پٹی غذاؤں، اور دلفریب لباسوں اور سرور بخش شرابوں کے موضوع پر کاوشیں
 ہوگی، شطرنج بازی اور نوازنی کا مشغلہ ہوگا، رقص و سرور کے چرچے ہوں گے، عورتوں اور لونڈوں میں انہماک
 ہوگا، محلات تعمیر کرنے اور دلکش باغات لگانے میں خاص توجہ رہے گی وغیرہ۔ فکر و تدبیر کے گھوڑے ان میدانوں
 میں خوب دوڑائے جائیں گے اور دل کھول کر داد منگ دی جائے گی۔

اس قماش کے لوگ جب منصب سلطنت پر قابض ہو جاتے ہیں تو بزدل سیخ لوگ ان کے درباروں میں جمع
 ہونے لگتے ہیں اور خوب ابھی طرح بھانپ لیتے ہیں کہ یہاں رغبت صرف لذتوں اور راحتوں کی طرف ہے۔ پس
 وہ سب کھیل تاشے اور ڈاگ رنگ کے نئے نئے ڈھنگ ایجاد کرنے میں لگ جاتے ہیں اور ایک ایک مشغلہ کو بڑا لمبا چوڑا
 فن لطیف بنا کر چھوڑتے ہیں۔ پھر بد قوت محنت کر کے اسے کمال کو پہنچاتے ہیں۔ عیش پسند سلاطین بھی ایسے ہی فنوں کے
 ماہرین کو اپنا مقرب اور خیر خواہ شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ جو کوئی مانا ہوا عیاشی یا بے حیا بھانڈا ہو یا چالباز دیوث ہو یا طبل
 سازگی کا استاد ہو وہی دربار سلطانی میں مندر آرا ہوگا۔

لیکن فن و فنون کی یہ گرم بازاری دولت کو بھونکنے بغیر کمال کو نہیں پہنچ سکتی اسے جاری رکھنے کے لیے خزانے
 (بقیہ حاشیہ صفحہ) ادنی بگاڑ پر ٹوکیں گے اور اس کے ایک ایک فیصلہ پر زبان اور قلم سے بحثیں ہوں گی تاکہ اسے عامر بھی اپنے سارے
 کی روش سے پوری طرح خبردار رہے اور ہر صاحب امر بھی چوکے رہے کہ وہ چاروں طرف سے دیکھنے والی بیدار آنکھوں کے درمیان گھر ہے
 ہاں البتہ اس امر کا پاس کرتے ہوئے کہ صاحب امر ایمان و اخلاص کا مالک ہے، ہر ضار و رغبت اس کی اطاعت کی جائے گی۔

بھر پور ہونے چاہئیں۔ چنانچہ سلاطین جبارہ مجبور ہوتے ہیں کہ مال جمع کرنے کے لیے رعایا پر قسم قسم کے جوڑ و ستم روا رکھیں اور بے دھرمک دست درازی کا مظاہرہ کریں۔ اس سے لازماً ملک میں تباہی پھیلتی ہے، مفلس اور کمزور لوگ غلام ہو جاتے ہیں اور تاجرو زیندار بہ حال۔ اتنا ہی نہیں، یہ طوفان فسق و فجور بعض صورتوں میں آبرو مندوں کی بے آبروئی اور پردہ داروں کی پردہ دری پر منتہی ہوتا ہے۔ اور یہ حالت بھی سلطنت کی تباہی کا سامان بنتی ہے۔ پھر یہ کہ سلطان جب کھیل تماشوں اور نمنوں شرابوں میں سستزق ہو گیا، تو نظام حفاظت و عدالت کا بگاڑ جانا لازمی ہے جس کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ رعایا میں باہم جوڑ و ستم کا بازار گرم رہے۔ انرض سلاطین کا فسق و فجور رعایا کی بد حالی اور ملک کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے :-

ان هذا الا مریداً و نبوة و رحمة ثم لیكون
 خلافة و رحمة ثم ملکا عضواً ثم ملکا
 حبریة و عتوا و فساداً فی الارض لیستحلون
 الحریر و الفروج و الخمر و میرنا قون علی ذلک
 و ینصرون حتی یلقوا اللہ

یہ نظام نبوت و رحمت سے شروع ہوا، پھر خلافت و رحمت بنے گا، پھر سلطنت و ستمند
 کی شکل اختیار کرے گا پھر جبر و کشتی اور لٹاندنی الارض کی ملکیت بن جائے گا اور اس
 وقت کے امراء و سلاطین (ریشم، عورت اور شراب کو باطل ممالک کریں گے اور اسی قسم
 کی کارروائیوں پر لوگوں کو علیے دیں گے اور ان کی مدد کریں گے، یہاں
 تک کہ اللہ سے بائیں گے۔

اس حدیث میں سلطنت جبر کی مکمل تعریف آگئی ہے جس سے اس کی ماہیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔
 فسق و ظلم کی یہ بادشاہت پوری امت کے لیے ایک خوفناک مصیبت ہوتی ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ اہل دین
 و دانش سلاطین وقت سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی مجالس سے کنارہ کشی کرتے ہیں، اور ان کا تقرب نہیں چاہتے
 نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی مماش میں غلطی آجاتا ہے اور اطمینان قلب سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس حال میں وہ صلاح
 معاد کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہو سکتے، اور ان کی پوری سعی جستجوئے راہ حق پر صرف ہو سکتی ہیں۔

لیکن اگر وہ سلاطین وقت کے تقرب کو پسند کریں اور وہی ڈھنگ سیکھ لیں جو ان کے تقرب کا لازمہ ہے تو
 اس صورت میں انھیں سبکے پہلے دین و ایمان سے دست بردار ہونا پڑے گا، پھر عزت و آبرو کو چھوڑنا ہوگا،
 پھر فحش گوئی کو اپنا خاص کمال اور نغمہ سرائی کو اپنا خاص ہنر قرار دینا ہوگا۔ پس ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ سلاطین (جبار)
 کی ملازمت اختیار کر کے اپنے دین و ایمان کی جڑ پر کھماڑا نہ پلائیں۔ انھیں یہ خیال ہرگز دل میں نہ لانا چاہیے کہ اپنا دین
 بھی بچالیں گے اور زندگی کے معاشی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے درباروں کے کچھ کما بھی لائیں گے۔ ایسا خیال کرنا خوش نگر
 اور غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیاے دوں | ایں خیال است و محال است و جنوں

ج۔ جب مال | عموماً ایسے اشخاص دنیا میں پائے جاتے ہیں جنہیں پیدائشی طور پر مال کی غیر معمولی حرص ہوتی ہے،
 مگر حرص بھی اس عجیب قسم کی، کہ فقط گونا گوں اموال کے جمع ہو جانے ہی پر اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور حصول
 لذت کے لیے کچھ خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہاں تو نفس اجتماع دولت ہی سب سے بڑی لذت اور اسکی

کرت ہی سب سے بڑی راحت ہے۔ ایسے لوگ جب اپنے خزانوں اور دفتروں کی اک جھلک دیکھتے ہیں تو باغ باغ ہو جاتے ہیں اور انہیں ترقی دینے کی خواہش دلوں میں اور بھڑک اٹھتی ہے، چنانچہ خزانے سمیٹنے کے لیے سو طرح کے دیکھ سمیٹتے ہیں اور ہزار طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ حدیہ کہ بھوکے ننگے رہ کے عمر گزار دینگے مگر کیا مجال کہ اپنے خزانے میں سے ایک دھڑی بھی صرف کر سکیں۔

اب خود ہی غور کیجیے کہ ایسے لوگ اگر نظام سلطنت پر قابض ہو جائیں تو ان سے بجز اس کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اپنی حرص کی آگ خوب بھڑکائیں۔ چنانچہ اہل زراعت و تجارت سے لے کر اغنیاء و فقرا تک سے حق عکرائی (ٹیکس) وصول کرتے ہیں وہ بھی اس اہتمام کے ساتھ کہ مچھر کی ٹانگ سے لے کر چوئی کے انڈے تک کوئی چیز حساب سے باہر نہ رہے اور ایک رائی کا دار بھی کسی کو معاف نہ کیا جائے۔ بلکہ ان ظالموں کی تو دنی خواہش یہ ہوتی ہے کہ رعایا کے کسی فرد سے کوئی جرم سرزد ہو یا کوئی قصور کسی پر ثابت ہو جائے تو اس کی پکڑ دھکڑ اور سزا بفریہ کے دوران میں اس کے مال و اسباب کو بطائف اٹھل اڑالیا جائے۔ ایسے لوگ خود بھی رات دن ہی سوچتے رہتے ہیں کہ رعایا سے کس طرح مال ہتھیایا جائے اور ان کے درباری بھی اسی موضوع پر عقل لڑاتے رہتے ہیں۔ اب جس نے پرایا مال مارنے کے لیے کوئی کارگر تدبیر گھڑی اور جس نے رعایا کو جُل دینے کا کوئی کامیاب گرڈھونڈ نکھلا، وہی ان کا خاص امیر ہے، وہی خیر خواہ وزیر ہے اور وہی مخلص مشیر! اس طرح سلطان جاہل اور اس کے درباریوں کی سلسل کاوشوں سے حیلہ سازی اور فریب بازی کے فنون لطیفہ اپنے کمال کو پہنچتے ہیں اور ان کے اصول و فروع مدون ہو جاتے ہیں۔

رہا بخل، سوا اس کے تقاضے کے ماتحت ظالم سلاطین اپنے ملازمین سے یہ تو چاہتے ہیں کہ وہ وفاداری سے خدمت کریں اور اس خدمت کو اپنا فخر سمجھیں، مگر یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ خزانہ سے کوئی ایک تنکا بھی نکالا جائے یا دینہ میں سے ایک کوڑی بھی کم ہو جائے۔ چنانچہ ان سے خدمت لینے کے لیے کتنی ہی چال بازیوں سے کام لیتے ہیں اور ریاست و سیاست کی کامیابی کے لیے خلق اللہ کو بالکل مصنوعی خلق سے رام کرتے ہیں، نیز جب مناسب سمجھتے ہیں کسی ملازم پر کوئی الزام قائم کر کے اس کی گذشتہ خدمات کو برباد کر دیتے ہیں اور جہاں مناسب سمجھتے ہیں اپنے خدام کو محض تسلیم و تکریم کے نشہ میں مست رکھتے ہیں۔ ان باتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدمت تو لیتے رہیں مگر معاوضہ کچھ نہ دینا پڑے، یا اگر دینا ہی پڑے تو ایسے ڈھنگ سے دیا جائے کہ ملازمین کو پورا پورا حق نہ ملنے پائے بلکہ ان کے حق میں سے جتنا ممکن ہو خزانہ میں روک لیا جائے۔ مثلاً سونے چاندی میں سے کھرا مال پچا کے رکھیں گے اور کھوٹی دھات سے معاوضہ ادا کریں گے یا یہ کہ زمانہ خدمت کا کچھ حصہ حساب خارج کر دینگے۔ یا پھر یوں ہو گا کہ ایک عرصہ تک مفت خدمت لینے کے بعد ان کا نام دفتر کے رہنماؤں میں درج کریں گے، وغیرہ!

اس قسم کی بحیل و حریص پادشاہت آخر مملکت کو تہ و بالا کر کے چھوڑے گی اور حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دے گی۔ لیکن پھر بھی رعیت کے لیے یہی مناسب ہو گا کہ سلطان بخل کے افکار و کردار پر صبر کرے اور اس سے تصادم نہ ہو۔ ورنہ اس کا اندیشہ ہے کہ وہ اتنا جو کچھ چرب زبانی اور فریب کاری کے پس پر وہ کر رہا ہے، اسے دھڑلے سے نہ نکالے گا۔

دینے لگے گا اور غیب کھل کر ستم ڈھانا شروع کر دے گا۔ وجہ یہ کہ طبع اس کے خمیر میں شامل ہے اور اگر کسی وقت اس پر مال حاصل کرنے کے دروازے بند ہو جائیں گے تو وہ اپنی جبلت کے تقاضے سے مجبور ہو کر زیادہ ظلم ہو جائیگا۔ جی مسلم نے حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا کہ: کیف انتہ وائمة من بعدکما مشاؤون لهذا یومیر سے بعد کے ان امر کے زمانہ میں تمہارا رویہ کیا ہوگا جو اس بیت اللہ الفی؟ قال ابو ذر اما والذی بعث بالحق کوزیر کثیر اپنے کو دوسروں پر ترجیح دیں گے، حضرت ابو ذر نے جواب دیا اصنع سیفی علی عاتقی ثم اضر بیه حتی القتک کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ سمونٹ فرمایا، اس وقت میں اپنی قال اولادک علی خیر من ذلک تصبر کہ لو اور اپنی گردن پر رکھ دوں گا اور اس کو حق سے جدا کر لوں گا تاکہ آپ سے حق تلقانی جاملوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں تم کو اس بھراہ نہ بنا دوں! اس وقت تم پھر فرمایا:-

انکم مترون بعدی اشارة وامورا تکرونها
وروی ان الصحابة قالوا یا نبی اللہ امریت ان قال
علینا امر اولیائنا حقهم ولینعوننا حقنا فما تامرناہ قال سمعوا
واطیعوا فان علیہم ما حملوا وعلیکم ما حملتم

تم میرے بعد (مردوں پر) اپنے حقوق کو ترجیح دینے والے (اور) ایسے لوگوں سے بچنا جو تم کو تم
اور روایت ہو کہ صحابہ نے پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھ پر ایسے امر اسلما ہو گئے جو مجھ سے ترہنا
حق کے لیے لیکن مجھے حقوق نہ دیا کریں تو اس وقت ہمارے لیے ایک ایسا حکم ہے جو اپنے فریادوں کی
شنا اور ان کی اطاعت کرنا کہ کبرئیل کی کئی کئی بار ان کے اوپر ہے اور تمہاری کئی کئی بار تمہارے اوپر

شوق مردم آزادی و خویری | بعض اشخاص اپنی فطرت کے اعتبار سے مغلوب الغضب اور شتر کینہ ہوتے ہیں۔ ایسے
کا جب غصہ ابلتا ہے تو زبردستی اور بدگوئی کی حد کر دیتے ہیں۔ اور موذی پن کے مظاہرہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ یہ تو ان کے لیے
مکن ہی نہیں کہ مجرم کے تصور کی نوعیت کا خیال کریں، بلکہ قانوناً اگر مجرم کی خطا معمولی درجہ کی ہو تو انھیں اور زیادہ غصہ آتا
ہے کہ وہ کوئی جرم عظیم کیوں نہ کر کے آیا۔ ایسے ارباب ظلم جرم کو عقل کے کاتے پھیلے تو لے لگے، جس اندھا دھندانی سے ان کی
غلطی پر بھی قتل اور زنی اور تزیل و تحقیر سے کم درجہ کی سزا تجویز کریں گے، کیونکہ اس کے بغیر ان کو اطمینان قلب اور سکون خاطر
حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر کسی گروہ کا محض ایک فرد اگر ان کی مخالفت کر بیٹھا تو سمجھ لیجئے کہ اس پورے گروہ کی شامت آئی اور پھارا
کوئی نہ بچے پائے گا۔

(حاشیہ صفحہ ۲۰) کوئی وجہ نہیں کہ جو سلطان اسلامی ایالت کا ظلم تو بالاکر رہا ہو اور بالواسطہ ریاست کے اندر معاشی و اقتصادی فساد پھیلا رہا ہو، اس کی کارگزاریوں
پر ارباب دین و دانش چپ بیٹھے رہیں۔ حدیث ابی ذرؓ کی رو سے اتنے صبر کا مطالبہ تو کیا جاسکتا ہے کہ تلوار نہ اٹھائی جائے لیکن یہ صبر بے جا صبر ہو گا کہ زبان اور ظلم
کو بھی حرکت نہ روک رکھا جائے۔ یہ انہی کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ اگر سلطان بخیل کی روک ٹوک چوتی تو وہ اور زیادہ تیاں کرے گا، حالانکہ اگر روک ٹوک نہ چوتی
تو مزید زیادتیوں کا امکان زیادہ ہے اور اگر تنقید و تہکیر سے بھر جائے بھی تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ سلطان ان مؤدسے آگے نکل جائے جس کے اندر اس کے خلاف
خروج کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کچھ برا نہیں۔ انقلاب کا ایک ریلا از سر نو خالص خلافت یا شدہ کو ابھار دے گا۔ (ن۔ ص)
کہ اس روایت کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اس کا مدعا یہ نہیں ہے کہ اگر تم سے نصیحت خالق کا مطالبہ کیا جائے تو بھی اپنے امرا کے غلام نہ ہو، ہرگز نہیں۔ اس سے
صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر امرا تمہارے حقوق تمہیں نہ دیں تو صبر کرو اور نظام صحیح و طاعت کو برقرار رکھو، یعنی خروج و بغاوت کا اجتناب کرو۔ امر کا جو جو امر کے سر
اور تمہارا تمہارے سر لیکن اگر حقوق اللہ ہی کو یہ لوگ پی جائیں تو پھر مسلمان کے لیے اطاعت کو برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے۔ (ن۔ ص)

اب اگر دنیا کی بر قسمتی سے ایسے ہی لوگ من سلطنت پر ممکن ہو جائیں تو وہ واد ظلم و جور نہ دینگے تو کرینگے کیا؟ یہ ظالم خدا کے بندوں کو طرح طرح کے مذاہبوں میں مبتلا کرتے ہیں اور عزت داروں کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑتے ہیں۔ غلط ہوگا اگر انھیں بنی آدم کے ایسے بھڑیے یا کٹ کٹے سمجھا جائے۔ ان کے زہریلے ڈنکے سے نہ سائیکین بچتے ہیں، نہ عزت و اعتبار والے، نہ غریبوں کو ان سے پناہ ملتی ہے نہ امیران کے گزرتے مشتاق ہیں ان کی ایذا سانی ہوتی اس درجہ کی ہے کہ غریب اور بے بس مسلمان ان کی اسلامی حکومت سے کفار کی کافرا حکومت کو ہزار درجہ بہتر سمجھنے لگتے ہیں اور وہی ان کے نزدیک خدا کے بندوں کے لیے جائے امن قرار پاتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر رعایا سلطان ظالم سے رنجیدہ ہوتی ہے اور ادراس سلطان ظالم بھی اپنے رعایا سے بیزار ہوتا ہے۔ بس یہ اس کی تباہی میں خوش، تو اس کے زوال میں راضی۔ اس حالت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

خيار ائمتكم الدين تحبونهم وتحبونكم و
تصلون عليهم ويصلون عليكم وشرا ائمتكم
الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم
ويلعنونكم اور تم ان پر لعنت کرو وہ تم پر لعنت کریں۔
تمارے امرا میں سے بچھو وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو۔ وہ تم سے محبت کریں
اور تم ان کے لیے دلعن رحمت کرو اور وہ تمہارے لیے دلعن رحمت کریں
اور تمہارے امرا میں سے وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں
اور تم ان پر لعنت کرو وہ تم پر لعنت کریں۔

سلطانی مظالم جس طرح رفتہ رفتہ رعایا کی معاش کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں اسی طرح ان کے تجر ایماں کی جڑیں کھودتے جاتے ہیں۔ آخر لوگ اقامت دین و ایمان کی فکر کیا کریں گے، جبکہ انھیں سلطان ظالم کے خوف سے ایک ساعت بھی مخلصی نہیں ہوتی۔ چنانچہ سلطنت ظالم کا قیام کسی مذہب باطل کے پھیل نکلنے کے مشابہ ہے جو ملت کے نظام اور سنت کے آئین و حدود کو توڑتا چلا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

انما اخاف على امتي الاستسقاء بکافوا وحيف
السلطان والتكذيب بالقدر
مجھے اپنی امت کے بارے میں صرف یہ خوف ہے کہ (۱) وہ پھرتوں سے بارش طلب کریں (۲) اپنا
اس ظلم و حائیس (۳) اس میں قصا و قدر کا انکار پیدا ہوگا۔

سلطان ظالم بعض وجوہ کے ماتحت اگر کسی گروہ سے رنجیدہ ہوتا ہے اور اس سے انتقام لینے پر تل جاتا ہے تو اس کے انتقام کی تلوار مطیع اور غیر مطیع اور گنہگار و بے گنہ میں ہرگز امتیاز نہیں کرتی بلکہ بے دریغ سروں کو کاٹتی چلی جاتی ہے اور ملکوں اور شہروں کو بے چراغ کر کے چھوڑتی ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ:-

من خرج على امي لبيغفه يضرب برها و فاجرها ولا يتخا
من موئجه ولا يفي لذي عهد عهدا فليس مني ولست منه
جس شخص نے اپنی تلوار بیکری امت پر حمل کیا اور قتل و غارت میں نیکت کی تیرنکی اور امت کے پھرتوں
کو قتل کرنے سے پرہیز کیا اور کسی اپنے عهد کا پاس ٹونڈ رکھا اس کا عہد سے کوئی نسی ہے اور

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی گروہ کے متعلق سلطان ظالم دل میں آتش غضب بھرتی ہے لیکن حالات ایسے نہیں ہوتے کہ عملاً انتقام لیا جاسکے، لہذا اس کے سینے میں کینہ پرورش پاتا رہے گا اور وہ اس تاک میں رہے گا کہ اس کینہ کی بھڑاس نکالنے کا کب مناسب موقع پیدا ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔
مامن والی علی رعیتہ من المسلمین فہوت وھو غاش
جو حکمران بھی اپنی مسلم رعایا پر فخر اور خیانت کے ساتھ حکومت کرتا ہو اگر گیا
س پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔

لھمرا لا حرمہ اللہ علیہ الجنة